Vol.3 No.3 2020

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

"باگھ" کا سماجی مطالعہ

A Social Study of "Baagh"

[1] عابد سلیم، [2] محمد ریاض عابد

Literature is the reflection of a society. Novel mirrors human society in a better way because of its broader canvas and plot compared to other genres of literature.The Urdu novel has also shown the social problems in it. Abdullah Hussain has beautifully depicted the Indo-Pak society in his novels. "Baagh" is his second novel after "Udaas Nasaleen" in which he has presented the problems of the newly formed country, Pakistan. He has also artistically portrayed the social issues of Occupied and Azad Kashmir. The police culture of Pakistan and the poverty of occupied Kashmir are an important part of the novel. The freedom movement the Kashmiries spaning over seven decades and their pathetic living are also reflected in the novel. Undoubtedly the social reflection of Pakistan along with occupied Kashmir makes "Baagh" an important novel of the Urdu literature.

Key Words: Socity, Litrature, Novel, Social Problems, Kashmir, Police Culture

کلیدی الفاظ: معاشرہ، ادب، ناول، معاشرتی مسائل، کشمیر، پولیس کا روایتی کردار

عبداللہ حسین کا ناول "باگھ" ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ جون ۱۹۷۶ء میں باگھ پر کام شروع کیا گیا اور ناول کی تکمیل جون ۱۹۷۸ء میں ہوئی۔ عبداللہ حسین نے اس ناول پر زیادہ کام لیبیا میں اپنے قیام کے دوران کیا جہاں وہ اپنی اہلیہ کی ملازمت کی وجہ سے مقیم تھے۔ کچھ ناقدین کا کہنا ہے کہ "باگھ" ایک علامتی اور مزاحمتی ناول ہے جس میں باگھ کی علامت کے ذریعے معاشرتی اور ریاستی جبر کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ناول کا مرکزی کردار اسد ہے جو باگھ سے کافی حد تک مماثلت رکھتا ہے۔ ناول میں تین کہانیاں ایک دوسرے

۱۔ پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور۔

۲۔ پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور۔

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کے متوازی چلتی ہیں۔ ایک کہانی محبت کی ہے جو اسد اور یاسمین کے تعلقات پر مشتمل ہے۔ دوسری کہانی پاکستانی جیلوں میں قیدیوں پر کئے جانے والے مظالم کی ہے جبکہ تیسری کہانی کا تعلق مقبوضہ کشمیر سے ہے جہاں کشمیری جدوجہد آزادی کے لیے گوریلا جنگ میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اس تیسری کہانی میں عبداللہ حسین نے مقبوضہ کشمیر کی سماجی عکاسی فنکارانہ مہارت سے کی ہے۔ ناول کا زیادہ تر حصہ فلیش بیک کی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ جس میں ناسٹلجیا کا رنگ بہت نمایاں ہے۔ اسد کے کردار کے ذریعے عبداللہ حسین نے آزادی کے بعد پاکستان کے ساتھ ساتھ کشمیر کے سماجی ماحول اور معاشرتی مسائل کو بڑے خوبصورت انداز میں کہانی کا حصہ بنایا ہے۔ گاؤں کی زندگی، غریب لوگوں کی حالت زار، معاشرتی مسائل، حوالات، قید و بند کی صعوبتیں اور پاکستانی جیلوں میں پولیس کا قیدیوں کے ساتھ روایتی تشدد آمیز رویہ، یہ تمام موضوعات "باگھ" کا اہم سماجی حوالہ ہیں۔

ناول کا آغاز اسد کریم کے منتشر خیالات سے ہوتا ہے۔ جب وہ گمشد والے حکیم کے مطب میں بیٹھا رات کی آمد کا بے قراری سے انتظار کر رہا ہوتا ہے کیونکہ رات کو اسد نے حکیم کی بیٹی یاسمین سے ملنا ہوتا ہے۔ اسد جن خیالات میں مگن ہے ان کا تعلق اس کے ماضی سے ہے۔ مطب میں بیٹھے ہوئے اسے بہت سے گزشتہ واقعات اور باتیں یاد آتی ہیں، مثلاً وہ یاد کرتا ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنے باپ کے ساتھ شکار پر گیا تو انہوں نے مرغابی شکار کی تھی۔ اسد کا باپ ایک شکاری تھا وہ باگھ کا شکار کرنا چاہتا تھا مگر یہ خواہش اس کے ساتھ ہی دفن ہو گئی۔ اسد باگھ کا شکار کر کے اپنے باپ کی اس ادھوری خواہش کی تکمیل چاہتا ہے مگر اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہو پاتی کیونکہ ناول میں موجود باگھ کی آواز تو سب سنتے ہیں مگر اس کو دیکھا کسی نے بھی نہیں ہے۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد اسد اپنے چچا کے ساتھ اس کے گھر منتقل ہو جاتا ہے جو اس کے گھر سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ اسد بہت اچھا پیراک ہے۔ کالج کے زمانے میں پیراکی کرتے ہوئے پہلی دفعہ اس کا سانس اکھڑتا ہے اور وہ دمہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس بیماری کے علاج کے سلسلہ میں اسد گمشد نامی گاؤں میں ایک حکیم کے پاس قیام پذیر ہوتا ہے۔ گمشد میں قیام کے دوران اسے آزاد کشمیر کے اس گاؤں کے سماج کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ گاؤں کی زندگی سے عبداللہ حسین کو خاصا لگاؤ ہے اس لیے دیہی علاقوں کی عکاسی وہ بہت جان دار انداز میں کرتے ہیں۔ گاؤں کے لوگوں کے دکھ درد اور مسائل عبداللہ حسین کے تمام ناولوں کے اہم موضوعات ہیں۔ "باگھ" میں بھی انہوں

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

نے آزاد کشمیر میں کنٹرول لائن کے دونوں طرف موجود دیہاتوں کی حقیقت پر مبنی تصویر کشی ہے۔ گمشد میں شام ہونے کا ایک منظر ملاحظہ ہو۔

> ”جن گلیوں سے اسد گزر کر آیا تھا۔ اُن میں بے کواڑ دروازے تاریک صحنوں میں کھلتے تھے۔ جہاں سے اِکّا دُکّا کسانوں کے باتیں کرنے کی بھاری اور مختصر آوازیں آرہی تھیں۔ تیل جلانے کو نقدی درکار ہوتی تھی اور نقدی یہاں پہ نایاب شے تھی۔ یہ لوگ کلّی طور پہ اپنے اپنے مختصر قطعہئ اراضی، اپنی مزدوری اور مویشیوں پہ گزر اوقات کرتے تھے۔ چنانچہ روشنی صرف شادیوں، پیدائشوں یا دعوتوں پہ کی جاتی۔ دن ڈھلے یہ لوگ دن بھر کا کام ختم کر کے گھروں کی لوٹ آتے اور اندھیرا ہونے سے پہلے روٹی سے فارغ ہو جاتے۔“(1)

بارشوں کے موسم میں گاؤں کے کچے راستوں کا جو حال ہوتا ہے عبداللہ حسین نے جس خوبصورتی کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے وہ قابل داد ہے۔ کچی سڑکوں کا یہ نقشہ صرف اسد کے آبائی گاؤں کا نہیں ہے بلکہ پاکستان کے ہر اس گاؤں کا ہی یہ حال ہے جو آج بھی پختہ سڑکوں سے محروم ہے۔

> ”اس موسم میں گاؤں کا راستہ ایسی ایسی تنگ کھالوں سے اٹا پڑا ہوتا، جیسے سٹیشنوں کے ساتھ شنٹنگ کے علاقے میں لائنوں کا جال بچھا ہوتا ہے، فرق صرف اتنا ہوتا کہ وہ زمین کے اوپر ہوتی ہیں اور یہ زمین کے اندر۔ اس راستے پر سائیکل چلانا جان جوکھم کا کام ہوتا۔ قدم قدم پہ خدشہ کہ پہیہ کسی کھال میں نہ پھنس جائے، اگر پھنس جاتا تو یوں لگتا جیسے کسی تیز رفتار چھلنی کے اوپر، جو آٹا پیسنے والی چکیوں کے ساتھ لگی ہوتی ہے، چل رہے ہوں پھر اُترے بنا چارہ نہ ہوتا۔“(2)

عبداللہ حسین کی تحریروں میں دیہات کی اس حقیقت پسندانہ عکاسی کو سراہتے ہوئے محمد علی صدیقی لکھتے ہیں۔

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"عبداللہ حسین کی شکل میں پنجاب کے دیہات کو ایک ایسا فنکار ملا ہے جو حقیقت کی وہ تہیں بھی دیکھ لیتا ہے جو اوسط درجہ کے فنکاروں کے لیے پردۂ اخفا میں رہتی ہیں۔"(3)

آزاد کشمیر کے سماجی و معاشرتی مسائل کو عبداللہ حسین نے بڑی خوبصورتی سے اسد کے ذریعے ناول میں بیان کیا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں گمشد والے حکیم جیسے عطائیوں اور نیم حکیموں کی کمی نہیں ہے۔ یہ لوگ صرف چند پیسوں کی خاطر لوگوں کو طرح طرح کی جڑی بوٹیاں پیس کر دیتے رہتے ہیں اور عوام کی جہالت کا یہ حال ہے کہ وہ بنا سوچے سمجھے ہر ایسے شخص کو حکیم لقمان سمجھ کر اس کی کشید کی ہوئی جڑی بوٹیوں میں شفا ڈھونڈنے بیٹھ جاتے ہیں۔ یہی حال اس گمشد والے حکیم کا بھی ہے۔ حکیم کا اصل نام تو محمد عمر ہے مگر وہ اپنے نام کی بجائے "گمشد والے حکیم" کے طور پر ہی جانا جاتا ہے۔ برسوں پہلے وہ نہ جانے کہاں سے اس گاؤں میں وارد ہوا تھا اور پھر یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ وہ سارا دن جنگل میں جڑی بوٹیوں کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہتا، یا اپنی بندوق سے، جو اس پورے علاقے میں واحد بندوق تھی، سے جانوروں کا شکار کرتا رہتا۔ رفتہ رفتہ حکیم کو لوگوں نے گمشد کے باسی کے طور پر قبول کر لیا اور چھوٹی چھوٹی بیماریوں کے علاج کے سلسلہ میں اس کے پاس آنے لگے۔ جو شخص ایک دفعہ اس سے دوائی لے جاتا وہ اس کا غلام ہو کر رہ جاتا کیونکہ حکیم کے علاج سے مرض ختم نہیں ہوتا تھا صرف افاقہ ہوتا تھا اور مریض افاقے کے ان چند لمحات کی خاطر سارا سارا دن حکیم محمد عمر کی دوائیاں پیستا رہتا۔ اگر وہ حکیم کو چھوڑ کر جاتا تو کچھ دن بعد مرض پھر زور پکڑتا اور اسے واپس گمشد حکیم کے پاس آنا پڑتا۔ اس لیے یہ لوگ وہاں سے جاتے ہی نہیں تھے کہ کچھ دیر کے لیے سہی بہر حال حکیم کے پاس سکون کا سامان موجود تھا۔ ولی اور میر حسن ایسے ہی دو کردار ہیں جو مستقل طور پر حکیم کے پاس رہتے ہیں۔ اسد جب حکیم کے پاس گمشد پہنچتا ہے تو اسے حکیم کی حکمت کے متعلق بہت سی باتیں سننے کو ملتی ہیں۔ میر حسن اسد کو بتاتا ہے:

"تم جو ڈھونڈ رہے ہو یہاں نہیں ہے۔"

"علاج" میر حسن نے کہا۔

"اور کہاں ہے؟"

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"کیا معلوم" میر حسن بولا، "مگر یہاں نہیں ہے"

"کیوں نہیں ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"ہماری طرف نہیں دیکھتے؟ سالوں سال سے یہاں کام کر رہے ہیں۔ یہاں کوئی تندرست نہیں ہوتا"(4)

حکیم اسد کو جو دوائی دیتا ہے اُس سے اسد کو کافی افاقہ ہوتا ہے اور وہ پر سکون ہو جاتا ہے۔ مگر یہ سکون عارضی ثابت ہوتا ہے۔ کچھ دن بعد اس کی بیماری پوری شدت کے ساتھ واپس لوٹ آتی ہے مگر اب کی بار دوائی سے اسے کوئی افاقہ نہیں پڑتا تو وہ پریشان ہو کر حکیم کے بارے سوچتا ہے۔ عبداللہ حسین نے اس قدر باریک بینی سے معاشرے میں موجود ان نیم حکیموں کے طریقۂ ورادات کو اس ناول میں بیان کیا ہے کہ ایک عام قاری بھی اس بات کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے کہ کس طرح یہ عطائیے مرحلہ وار سیدھے سادھے لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ اسد کو دوسری دفعہ حکیم کی دوائی سے کچھ افاقہ نہیں ہوتا تو میر حسن اسے کہتا ہے۔

"میری گولیاں ہی لے لو بالکل وہی ہیں۔"

لگتی وہیں ہیں، مگر ہیں کہاں؟ اصل چیز تو صرف پہلی ہوتی ہے۔ اس کے بعد شکل وہی رہتی ہے، اصل بدل جاتا ہے۔ اصل وہ صرف پہلی بار ہی دیتا ہے یا بیچ میں گھٹا بڑھا کر دیتا رہتا ہے۔ اس طرح یہ لوگوں کو باندھ کر رکھتا ہے۔ تم نے دیکھا ہے کسی کو اپنی دوائی پینے کو نہیں دیتا۔ کوئی اپنی دوائی نہیں پیتا۔"

"پھر کون پیتا ہے؟"

"بس ایک دوسرے کی دوائیاں بناتے ہیں۔ پتا نہیں ہوتا کہ کون کس کی بنا رہا ہے۔ ملاوٹ گھر کے اندر جا کر کرتا ہے"۔(5)

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

میر حسن کی اس بات سے پاکستانی معاشرے میں موجود ان پیشہ ور حکیموں کی مکاری کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اسد بھی اس حکیم سے مایوس ہو کر سوچنے لگتا ہے کہ ہو سکتا ہے میر حسن سچ کہتا ہو اور حکیم کے پاس صرف افاقے کا گُر ہی ہو۔ اس سوچ کے ساتھ اسد اپنا سامان باندھتا ہے اور واپس اپنے دوست ریاض کے پاس کالج چلا جاتا ہے۔ وہاں جا کر اسد کو اس شدت سے سانس کی تکلیف ہوتی ہے کہ اس کے پاس واپس گمشد آنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں بچتا۔ کیونکہ حکیم کی دوائی سے کم از کم افاقہ ضرور ہوتا ہے۔ حکیم اسد کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تم تعلیم یافتہ ہو اور میرے پاس جو کچھ ہے سب تم حاصل کر سکتے ہو۔ حکیم اسد کو اپنے گھر آنے جانے کی اجازت بھی دے دیتا ہے۔ حکیم کے گھر صرف اس کی بیٹی یاسمین رہتی ہے جس سے اسد کو محبت ہو جاتی ہے۔

ایک دن اسد جنگل میں یاسمین سے ملاقات کے بعد واپس آتا ہے تو حکیم کو اس کے مطب میں مردہ حالت میں پاتا ہے۔ میر حسن حکیم کی لاش کے پاس کھڑا ہوتا ہے۔ جسے اسد اپنی گرفت میں لے لیتا ہے مگر وہ مسلسل کہے جاتا ہے کہ حکیم کو اس نے قتل نہیں کیا ہے۔ اسد حکیم کی لاش کو دیکھنے لگتا ہے تو میر حسن موقع پا کر وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔ اسد حکیم کے کمرے سے ضروری سامان، جس میں اس کی بندوق بھی شامل ہے، اٹھا کر اس کے گھر میں چھپا دیتا ہے۔ قتل کے شبہ میں پولیس اسد کو گرفتار کر لیتی ہے۔ ذوالفقار نامی شخص اسد کو رہا کروا کر مقبوضہ کشمیر میں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ ناول کے آخر تک یہ ایک راز ہی رہتا ہے کہ آخر حکیم کو قتل کس نے کیا تھا؟ میر حسن نے یہ قتل کیا تھا تو فرار ہونے کے بعد اسے گرفتار کیوں نہ کیا گیا؟ جیل میں ظالمانہ تشدد کے باوجود اسد میر حسن کا نام صرف ہمدردی کے جذبے کی بناء پر نہیں لیتا یا اس کی کوئی اور وجہ تھی؟ یا پھر گاؤں والوں کو بندوق نہ دینے پر گاؤں کے کسی فرد نے حکیم کو قتل کر دیا تھا؟ یہ تمام ایسے سوالات ہیں جن کا جواب ناول میں کہیں نہیں ملتا ہے۔ باپ کی وفات پر یاسمین کی صدمے سے جو حالت ہوتی ہے عبداللہ حسین نے بڑے حقیقی انداز میں اس کی تصویر کشی کی ہے۔ جان دار اسلوب کی بدولت وہ قاری کے ذہن پر جو تاثر چھوڑنا چاہتے ہیں اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہو جاتے ہیں۔ باپ کی وفات پر یاسمین کی کیفیت ہو یا گرفتار ہونے کے بعد پولیس کے ظالمانہ تشدد کے نتیجے میں اسد کی حالت زار عبداللہ حسین اپنے خوبصورت

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اسلوب کے ذریعے قاری کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ کرشن چندر عبداللہ حسین کے نام اپنے ایک خط میں ان کے متاثر کن اسلوب کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "آپ کی نثر میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو مجھے پسند ہیں۔ آپ کے لکھنے کا ڈھنگ، الفاظ کا انتخاب، سٹائل کی ایک سیال پگھلی ہوئی نیم گرم کیفیت جو فکر اور جذبے کو ایک دوسرے میں تحلیل کر دیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے آپ لفظوں کو صرف پہچانتے ہی نہیں ان سے پیار بھی کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اس پیار میں آپ بہت گہرے ڈوبے ہوئے ہیں اس عمل کا کرب بھی آپ کی تحریر سے نمایاں ہے مگر یوں تو ہو گا ہی۔ جو لوگ لفظوں سے پیار کرتے ہیں بہت دکھ اٹھاتے ہیں۔"(6)

پولیس کی حراست کے دوران اسد پر ہونے والے مظالم کے ذریعے عبداللہ حسین نے پاکستانی معاشرے میں انصاف کی عدم فراہمی اور پولیس کا قیدیوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے روایتی تشدد آمیز رویے کی حقیقت پسندانہ عکاسی کی ہے۔ حکیم کے قتل کی اطلاع پر پولیس تفتیش کے لیے گمشد آتی ہے تو اس کا بڑے روایتی انداز میں استقبال کیا جاتا ہے اور بہترین کھانے سے اس کی تواضع کی جاتی ہے۔ پولیس کی آمد کا یہ منظر اس قدر حقیقی ہے کہ یہ صرف گمشد میں نہیں بلکہ پاکستان کے ہر گاؤں کا منظر محسوس ہوتا ہے۔ اسد سے تفتیش کے دوران تھانیدار ایسے سوال کرتا ہے جن کا قتل کے اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے صرف اسد پر نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لیے اس سے بے سروپا سوال کئے جاتے ہیں۔ جیل میں اسد کو جو کھانا دیا جاتا ہے اس کی حالت بھی آج کی پاکستانی جیلوں میں قیدیوں کو دیئے جانے والے کھانے سے مختلف نہیں ہے۔

> "روٹی میں ملی ہوئی ریت کے ذرّے جب اس کے دانتوں میں کرکرانے لگتے تو وہ شوربے کے گھونٹ سے نوالے کو نگل جاتا۔ اسے آج تک پتا نہ چل سکا کہ شوربہ کس چیز کا ہوتا تھا، آلوؤں کا، دال کا، یا کسی سبزی کا۔ نمک اب گھٹتے گھٹتے نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔"(7)

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اقبال جرم کروانے کے لیے اسد کو جس بدترین تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور اس مقصد کے لیے جو غیر انسانی حربے اختیار کئے جاتے ہیں انہیں پڑھتے ہوئے ایک حساس قاری کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک رات جب جسمانی کمزوری کے باعث اسد چکرا کر گرتا ہے اور اس کا سر جیل کی کوٹھڑی میں ایک پتھر سے لگ کر پھٹ جاتا ہے تو تھانیدار اور سپاہی یہ سمجھتے ہیں کہ اس نے جان بوجھ کر کسی آلے سے خود کو نقصان پہنچایا ہے۔ اس آلے کی برآمدگی کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اسے پڑھ کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

> "اب قیدی کی تلاشی شروع ہوئی۔ لال خان نے اس کے بالوں میں انگلیاں دوڑائیں، پھر کانوں کو کھینچ کھینچ کر اُن میں ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ منہ کھولو۔ اسد نے منہ کھول دیا۔ زبان اٹھوا کر، گالوں کو چٹکیوں میں بھر کر مسوڑھوں کے اندر دونوں طرف انگلی گھمائی گئی۔ اس کے بعد بازو اٹھوا کر بغلوں کا معائنہ ہوا۔ پھر تھانیدار نے حکم دیا کہ جھک کر کھڑے ہو جاؤ۔ "یوں" اس نے ڈنڈے کی مدد سے قیدی کے ہاتھ گھٹنوں پر جمائے۔۔۔۔۔۔۔"(8)

تشدد کا یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اسد کو ناکردہ قتل تسلیم کروانے کے لیے جن اذیت ناک سزاؤں سے گزارا جاتا ہے ان میں جنسی تشدد اور جنسی ہراسگی بھی شامل ہے۔ حوالات میں اسد پر ہونے والے ان مظالم کو بیان کرتے ہوئے عبداللہ حسین نے ایک حقیقت پسند ادیب کے فرائض انجام دیتے ہوئے پاکستانی تھانیداروں اور تفتیشی افسران کے رویے کو بالکل حقیقی انداز میں کہانی کا حصہ بنایا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی بے ہودہ گفتگو اور گالیوں کو بھی ہو بہو لکھ دیا گیا ہے۔ اس سے پاکستان میں موجود تھانہ کلچر کا ایک تاریک پہلو تو ضرور اجاگر ہوتا ہے مگر گالیوں کے اس بے باکانہ بیان کی وجہ سے ناول کی ادبیت بُری طرح متاثر ہوئی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ممتاز احمد خان لکھتے ہیں۔

> "عبداللہ حسین نے پولیس سٹیشنوں میں ملزمان پر شک کی بناء پر ہونے والے ظلم واذیت کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ان کے فن اور حقیقت پسندی دونوں کی معراج ہے گو کہ اس کی عکاسی میں عبداللہ حسین نے

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اداس نسلیں، کی طرز پر گالیوں کو بھی شامل کیا ہے جس پر قاری اور نقاد دونوں اعتراض کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں تاہم اگر اس پہلو کو نظر انداز کر دیا جائے تو پولیس کے طریقہ تفتیش کے مناظر سب کو جھنجھوڑ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ان مناظر کو پڑھنے والا شاید ہی مرتے دم تک اس شکل کو کبھی بھول سکے۔ناول کو اکثر ظلم، استحصال اور جبر کی موثر عکاسی بلندی پر لے جاتی ہے۔"باگھ" کا یہ پہلو ہمیشہ تعریف کے قابل گردانا جائے گا۔"(9)

آلۂ قتل کی بر آمد گی کے بعد اسد پر دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ تسلیم کرے یہ چاقو اس کا ہے۔اسد کے انکار پر اسے پھر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔اسد تھانیدار سے کہتا ہے کہ اسے عدالت میں پیش کیا جائے۔اس سوال پر تھانیدار کا جواب سن کر نہ صرف اسد بلکہ قاری بھی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔

"اسد نے کہا،"مجھے عدالت میں پیش کرو"

"عدالت میں بھی پیش کر لیں گے"۔تھانیدار مسکرا کر بولا،"ابھی تو ہمارے کاغذوں میں تیری گرفتاری ہی عمل میں نہیں آئی۔"

"کیوں؟"

"ہاہا" تھانیدار سپاہی کی طرف دیکھ کر ہنسا۔"پوچھتا ہے کیوں۔اس لیے کہ تفتیش ابھی جاری ہے اور تو ابھی مفرور ہے۔ثبوت ثبوت کرتے ہو، تیرے پاس کیا ثبوت ہے کہ تو یہاں پر موجود ہے۔"(10)

اسد حوالات میں تشدد کی اذیت سے بچنے کے لیے اپنے ماضی میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔وہ اپنے سکول، محلے کی مسجد، پھوپھی اُرما، چچا اور چچا کے کمرے میں ہونے والے قتل کو یاد کرتا ہے۔ماضی کی ان یادوں سے اسد کو سکون ملتا ہے اور وقتی طور پر سہی وہ حوالات کی اذیت سے خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

جیل میں ذوالفقار نامی شخص اسد سے ملنے کے لیے آتا ہے تو نفسیاتی اذیت کی وجہ سے اسد اسے بھی کوئی تشدد کرنے والا ہی سمجھتا ہے۔ اسد کو کچھ دیر بعد یاد آتا ہے کہ سکول کے زمانے میں یہ شخص بڑی جماعتوں کا استاد مقرر ہو کر اس کے سکول میں آیا تھا۔ اسد کے ساتھ مختصر ملاقات میں ذوالفقار اسے کہتا ہے کہ اگر وہ اس کے ساتھ تعاون کرے تو اسے رہائی مل سکتی ہے۔ ذوالفقار خفیہ پولیس کا آدمی ہے جو مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کے لئے سرکاری سطح پر کام کرتا ہے۔ وہ اسد سے کہتا ہے کہ اگر وہ اس کے لئے کام کرنے کی حامی بھرے تو نہ صرف اسے رہا کر دیا جائے گا بلکہ وہ یاسمین کے ساتھ بھی رہ سکے گا۔ ذوالفقار اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اسد کو مقبوضہ کشمیر بھیجنا چاہتا ہے اسے یہ لالچ بھی دیا جاتا ہے کہ جس بوٹی سے حکیم اس کی دوائی تیار کرتا تھا وہ بھی مقبوضہ کشمیر سے با آسانی لا سکے گا۔ اسد ذوالفقار کی یہ تمام باتیں سمجھنے سے قاصر ہے اس لیئے وہ کوئی جواب نہیں دیتا۔ اس سے کچھ دن بعد اسد کو ایک دفعہ پھر بدترین تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہ تشدد اسد برداشت نہیں کر پاتا اور بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔ جب اسے ہوش آتا ہے تو وہ خود کو جیل کی کال کوٹھڑی کی بجائے ایک کشادہ کمرے میں پاتا ہے جہاں ذوالفقار بھی موجود ہوتا ہے اسے بتایا جاتا ہے کہ اب وہ بالکل آزاد ہے کیونکہ حوالات سے اس کی رہائی ہو چکی ہے۔ بعد میں اسد کو پتہ چلتا ہے کہ حکیم کے قتل کے سلسلے میں خوشی محمد نے اقبال جرم کر لیا تھا اس لئے اسے رہا کر دیا گیا تھا۔ اسد یہ نہیں سمجھ پاتا کہ آخر خوشی محمد حکیم کو قتل کیوں کرے گا؟ اس بات کا علم اسے بہت بعد میں ہوتا ہے کہ خوشی محمد نے کس لئے حکیم کے قتل کو قبول کر کے جیل جانا پسند کیا تھا۔ ہسپتال میں مکمل آرام اور اچھی خوراک کی بدولت اسد کی حالت جب کافی بہتر ہو جاتی ہے تو وہ یاسمین کے پاس گمشد آجاتا ہے۔ یاسمین اسے بتاتی ہے کہ اس کا باپ اس کے علاج کے لئے جو بوٹی استعمال کرتا تھا وہ سرحد پار رجمار کے علاقے میں پائی جاتی ہے۔ کچھ دن یاسمین کے ساتھ گزارنے کے بعد اسد ذوالفقار سے ملتا ہے کیونکہ اب وہ ذہنی طور پر مقبوضہ کشمیر جانے کے لئے تیار ہے۔ ذوالفقار اسے بتاتا ہے کہ اسے مقبوضہ کشمیر جاسوسی کے لئے جانا ہے۔ اس کے بعد اسد کو ابتدائی ٹرینگ کروائی جاتی ہے۔ دراصل اسد مقبوضہ کشمیر جانے کے لئے صرف اس لئے رضامند ہوتا ہے کہ صرف یہی ایک راستہ تھا جس کی بدولت وہ ایک تو یاسمین کے ساتھ رہ سکتا تھا اور دوسرے اپنے علاج کے لئے استعمال ہونے والی بوٹی تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔ ابتدائی ٹرینگ کے بعد اسد مقبوضہ کشمیر کی طرف روانہ کر

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

دیا جاتا ہے۔ جاسوسی کے لئے جاتے ہوئے اسد کا نام تبدیل کر دیا جاتا ہے اب وہ اسد نہیں علی ہے۔ علی (اسد) مقبوضہ کشمیر جاتا ہے تو عبداللہ حسین اس کے ذریعے وہاں کے سماج کو ناول میں پیش کرتے ہیں۔ مقبوضہ کشمیر کے سماجی حالات اور مسائل اس انداز سے ناول کی کہانی کا حصہ نہیں بن پائے جو عبداللہ حسین کا مخصوص انداز ہے جس کے تحت وہ جزئیات نگاری کے جوہر دکھاتے ہوئے کسی بھی منظر کا نقشہ الفاظ کے ذریعے اس مہارت سے کھینچتے ہیں کہ قاری خود کو اس کا ایک حصہ تصور کرتا ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے سماج کی چند جھلکیاں ہی ناول میں نظر آتی ہیں اگر اس پہلو پر توجہ دی جاتی اور کشمیر کے معاشرتی مسائل کو تفصیلاً ناول کا حصہ بنایا جاتا تو بلاشبہ اس سے ناول کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا۔

علی (اسد) ایک مقامی کشمیر امیر خان کی معیت میں مقبوضہ کشمیر کا سفر شروع کرتا ہے۔ انڈین آرمی سے بچنے کے لیے اسد کا حلیہ بھی عام کشمیریوں کا سا ہے اور انہیں کے انداز میں وہ گفتگو کرتا ہوا اپنی منزل کی طرف گامزن ہے۔ اس کے پاس نمک کا ایک بڑا ڈھیلا ہے وہ جب تھک جاتا ہے تو نمک سر پر رکھ لیتا ہے۔ امیر خان اسے سر پر بوجھ اٹھانے سے منع کرتے ہوئے کشمیریوں کا ایک رواج بتاتا ہے۔

> "کوئی کشمیری سر پہ بوجھ نہیں اٹھاتا۔ جو سر پہ گٹھا اٹھائے دکھائی دے سمجھ لو جمّوں یا پونچھ کا ڈوگری ہے یا توی کا ہے۔ اصل کشمیری پیٹھ پر بوجھ اٹھاتا ہے اور کمر کے زور پہ چڑھائی چڑھتا ہے۔"

"کیوں؟"

> "کشمیریوں کا قول ہے کہ سر پہ بوجھ اٹھانا عورتوں کا کام ہے۔ مرد کا سر آزاد ہوتا ہے اور اس کے کندھوں پہ دنیا کا بوجھ ہوتا ہے"۔(11)

کشمیر کے مقامی لوگ خود کو صحابیوں کی اولاد کہتے ہیں۔ اس بات کی حقیقت بیان کرتے ہوئے عبداللہ حسین لکھتے ہیں:

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"تم کشمیری ہو؟"

"اصل کشمیری۔ ہم لوگ اصحابیوں کی اولاد میں سے ہیں۔"

"اصل کشمیری تو براہمن ہیں۔" اسد شرارت سے بولا۔

"ہمارے ہی بھائی بند تھے"۔ وہ حقارت سے بولا، "آریہ سماجیوں نے پکڑ کر براہمن بنا دیے۔"(12)

کشمیریوں میں توہم پرستی بھی عام چیز ہے جس کا اندازہ "چار کوس" کے علاقے کی وجہ تسمیہ اور نانگے شاہ کے کردار سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ عشق میں ناکامی کے بعد خود کو خدا کے نام میں غرق کر دینے والا نانگے شاہ جس انداز میں ارد گرد کے علاقوں میں چند سال کے قیام کے بعد لوگوں کو اپنا مرید بنالیتا ہے اس سے کشمیری قوم کی جہالت اور توہم پرستی کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ امیر خان علی (اسد) کو ریاض کے حوالے کر کے چل دیتا ہے۔ علی (اسد) کو چار کوس والے نانگے شاہ کی حقیقت بتاتے ہوئے ریاض کشمیر کے غربت زدہ لوگوں کے حوالے سے ایک حقیقت کا انکشاف کرتا ہے وہ کہتا ہے

"بستی ڈالنا آسان ہے، چھوڑ کر جانا آسان نہیں۔ نئی جگہ پر نئے لوگ اس کی شہرت سن کر، اپنی اپنی غرضیں لے کر آئے اور کچھ وہیں رہ گئے۔ غریب لوگ روٹی کے نام پر آئیں یا نہ آئیں، خدا کے نام پر ضرور آتے ہیں اور خدا کا نام پیر فقیر کا نام ہی ہوتا ہے۔"(13)

ریاض، علی (اسد) کو یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ صرف ایک من گھڑت بات ہے کہ چار کوس کے ارد گرد کے گاؤں اس سے چار کوس کے فاصلے پر ہی واقع ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ علاقہ اس وقت بھی چار کوس ہی تھا جب اس کے ارد گرد اور کوئی گاؤں آباد نہیں ہوا تھا۔ علی (اسد) اپنے علاج کے لیے بوٹی کی تلاش میں رجمار جاتا ہے تو اس کی ملاقات جنت نام کی ایک خاتون سے ہوتی ہے۔ یہ عورت سماج کے ستم سہتے ہوئے محنت مزدوری کر کے اپنے کم سن بچے کا پیٹ پالتی ہے۔ جنت اسے بتاتی ہے کہ وہ یکے بعد دیگرے مختلف آدمیوں کے نکاح میں رہی ہے اور اب خوشی محمد کے ساتھ رہ رہی ہے جو سرحد پار گیا تو واپس نہیں لوٹا۔ یہ وہی خوشی محمد ہے جو حکیم

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کے قتل کے سلسلہ میں گرفتاری دیتا ہے اور اسد کو رہائی ملتی ہے۔ اسد کو اب معلوم ہوتا ہے کہ خوشی محمد ڈبل ایجنٹ کا کام کر رہا تھا اور اب موت سے بچنے کے لیے پولیس کو گرفتاری دے کر زندگی کی حفاظت کر رہا ہے۔ جنت علی (اسد) کو کشمیر کے مختلف علاقوں کے لوگوں کے بارے میں بتاتی ہے۔

> "ہمارے اپنے لوگ تو ٹھیک ہیں، مہینہ دو مہینے بھی نکل جائیں تو چپ رہتے ہیں۔ بیلے کی طرف کے لوگ لالچی ہیں، پیسے کے لیے ان کا کرتہ اور بندوق کے لیے ہاتھ کھلا رہتا ہے۔ اُن کا پیٹ نہیں بھرتا، پیسے کے بغیر ایک قدم نہیں چلتے۔"(14)

اس کے کچھ دن بعد ریاض، علی (اسد) کو بتاتا ہے کہ انہیں بھارتی فوج کے خلاف ایک کارروائی میں جانا ہے۔ اگرچہ غیر متعلقہ بندوں کو ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں مگر تم ساتھ چلو میں سنبھال لوں گا۔ اس کاروائی میں ریاض شہید ہو جاتا ہے اور اسد بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ گرتا پڑتا جنت بی بی کے گھر پہنچتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک رات گزارنے کے بعد اگلے دن اپنے علاج والی بوٹی حاصل کر کے وہاں سے چل دیتا ہے۔ اب اس کی منزل گمشد ہے مگر اس حال میں کہ اسے راستے کا کوئی علم نہیں، اس کا ساتھی ریاض شہید ہو چکا ہے اور واپسی کا سفر اسے تنہا ہی کرنا ہے۔ اسد اب نہ علی ہے اور نہ اسد کیونکہ اسے اپنی شناخت چھپا کر واپسی کا سفر طے کرنا ہے۔ وہ راستے کی مشکلات برداشت کرتا، اپنی دوائی والی بوٹی کو خوراک کے طور پر استعمال کرتا ہوا سفر جاری رکھتا ہے۔ اسد اپنا نام امیر رکھ لیتا ہے اور خود کو نانگے شاہ کا مرید ظاہر کرتا ہے۔ توہم پرست کشمیری عورتیں اسے کوئی بزرگ سمجھ کر دعا کے لیے اس کے پاس آنے لگتی ہیں اور اس کے لیے کھانے کا انتظام بھی بخوشی کرتی ہیں۔ جب وہ نانگے شاہ کے حلقۂ ارادت سے باہر دوسرے علاقے میں پہنچتا ہے تو ایک دفعہ پھر اس کے لیے اپنی شناخت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ چھپتا چھپاتا راستے کی صعوبتیں برداشت کرتا ایک بستی میں پہنچتا ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ یہ بے دخلوں کے گھر ہیں۔

> "بے دخل! اسد کے ہاتھ گویا ایک خزانہ آ گیا۔ اس نے خوشی سے اپنے دل میں اس لفظ کو دہرایا۔ یہ ایک ایسا لفظ تھا جو سولہ سترہ سال پہلے وجود میں آیا تھا۔ یہ ایسے لوگ تھے جو پہلی جنگ کے موقعے پر اپنے

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

> گھروں سے اکھڑ گئے تھے۔ اُس ہلے میں کچھ اِدھر سے اُدھر چلے گئے، کچھ اُدھر سے اِدھر آ گئے۔ کئی سال تک کسی طرف کی حکومت نے ان پر کوئی توجہ نہ دی۔ ہر نئی انتظامیہ نے اس مسئلے کو حل کرنے کی اپنی سی کوشش کی، مگر بات تھوڑی بہت کاغذی کارروائی سے آگے نہ بڑھ سکی۔ ہوتے ہوتے "گھر" واپس جانے کے خواب ان لوگوں کے دلوں سے اتر گئے اور وہ ایک مستقل خانہ بدوش قبیلے کی صورت اور حیثیت اختیار کر گئے۔ "گھر" ایک خیالی جگہ کا نام بن گیا جس کی باتیں یہ لوگ اب بھی کیا کرتے تھے، مگر محض وقت کٹی کی خاطر۔"(15)

کیونکہ اسد خود بھی ایک بے گھر شخص ہے جسے اپنے گھر اور علاقے سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ان بے دخل افراد کو دیکھ کر اسد کو فطری خوشی ہوتی ہے۔ ایک طرح سے اسد ہی ان بے گھر افراد کے دکھ درد کو صحیح معنوں میں سمجھ سکتا ہے اور غالباً وہ ان بے گھر افراد کے درمیان رہ کر خوشی بھی اس لیے محسوس کرتا ہے کہ خود اس کے دکھ درد کو ان لوگوں سے بہتر طور پر سمجھنے والا اور کوئی نہیں ہے۔ رضی عابدی بے گھر ہونے کے مسئلے کو خود عبداللہ حسین کا مسئلہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "یہی عبداللہ حسین کا بنیادی مسئلہ ہے۔ جو اب ایک عالمی مسئلہ بن رہا ہے۔ بے خانماؤں کا مسئلہ۔ عبداللہ حسین خود اس طرح کا ایک بے خانما جہاں گرد ہے، یہی وہ صورت ہے جس میں ناول کے نام اور اس کے ہیرو کے نام کی مطابقت اور اہمیت کچھ معنی رکھتی ہے۔"(16)

بے دخلوں کی اس بستی میں اسد پر شک کیا جاتا ہے تو وہ یہاں سے بھی فرار کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اس کا ایک جوتا راستے میں گم ہو جاتا ہے وہ باقی رہ جانے والے ایک جوتے کو باری باری دونوں پاؤں میں پہن کر سفر جاری رکھتا ہے۔ اس کے دونوں پاؤں بُری طرح زخمی ہو جاتے ہیں اور پھر راستہ بھول جانے کی وجہ سے اسد کو مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ راستے میں اسے ایک مقام پر میر حسن مل جاتا ہے جو اسے کھانا کھلاتا ہے اور گمشد کا راستہ بھی بتاتا ہے۔ ناول میں یہ بات بھی ایک معمّہ ہی رہتی ہے کہ میر حسن اس جگہ اسد کے پاس کیوں کر اور کیسے پہنچ جاتا ہے اور پھر اسد اس سے حکیم کے قاتل کے بارے میں کچھ پوچھتا کیوں نہیں ہے؟ آخر اسد طرح طرح کی مشکلات برداشت کرتا ہوا انیس دن کے بعد گمشد پہنچ جاتا ہے۔ اسد گمشد آ کر یاسمین کے ساتھ رہنے لگتا ہے مگر یہ خوشیاں اسے

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

زیادہ دن راس نہیں آتیں۔ ایک رات اچانک کچھ لوگ اسد کو زبردستی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ اسد کو بچانے کی تگ و دو میں یاسمین اپنے پیٹ میں موجود اسد کے بچے کو ضائع کر بیٹھتی ہے مگر اسد کو ان لوگوں سے چھڑا نہیں پاتی۔ اسد کی آنکھوں پر پٹّی باندھ کر اسے جیپ میں ڈال دیا جاتا ہے اور پھر جیپ نامعلوم مقام کی طرف چل پڑتی ہے۔ راستے میں اسد اپنے ماضی کو یاد کرتا ہے، وہ بچپن میں مسجد کے ساتھ اپنے تعلق کو یاد کرتا ہے جب وہ ہر وقت باوضو رہتا تھا اور کبھی نماز قضا نہیں کرتا تھا۔ اسد یہ بھی سوچتا ہے کہ یہ لوگ کون ہیں اور اب جب کہ وہ ایک لمبے اور تھکا دینے والے سفر سے واپس آیا ہے تو اسے کس طرف لے جایا جا رہا ہے۔ اسد نامعلوم منزل کی طرف اس سفر کو "عجیب سفر" کا نام دیتا ہے کیوں کہ وہ نہیں جانتا یہ سب کس کے کہنے پر اور کیوں کیا جا رہا ہے۔

"باگھ" کے اس مختصر سماجی مطالعہ کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ عبداللہ حسین نے اس ناول میں پاکستان، آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے سماج کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے سماجی ماحول اور معاشرتی مسائل کی چند جھلکیاں ہی ناول میں دیکھنے کو ملتی ہیں مگر ان کی بدولت وہاں کے لوگوں کے طرزِ حیات کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ ناول میں اسد کی مختلف نفسیاتی کیفیات کے ذریعے دور جدید کے انسان کے مسائل اور اس پر آزمائے جانے والے جبر اور ان کے مقابلے میں انسان کی مستقل مزاحمت اور مشکلات کے سامنے ڈٹے رہنے کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان "باگھ" میں سماج کی پیش کش کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> "اداس نسلیں" کے بعد "باگھ" میں انہوں نے (عبداللہ حسین نے) شعوری طور پر کوشش کی ہے کہ وہ معاشرہ میں جو نئی سیاسی و سماجی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں اور روایت کے برعکس جو نئی سوچ اور نئی سچائیاں سامنے آئی ہیں ان کی بھرپور عکاسی کی جائے۔"(17)

آخر میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اپنے دلچسپ اسلوب، منفرد پلاٹ اور متاثر کن سماجی پیش کش کے حوالے سے اردو ناول نگاری میں "باگھ" کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

حوالہ جات

1۔ عبداللہ حسین، باگھ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2006ء، ص29

2۔ ایضاً ص41،42

3۔ محمد عاصم بٹ، عبداللہ حسین: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 2008ء، ص123

4۔ عبداللہ حسین، باگھ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2006ء، ص53

5۔ ایضاً ص58

6۔ سہ ماہی "سویرا"، جلد9، شمارہ14، قوسین، لاہور، دسمبر2012ء، ص308

7۔ عبداللہ حسین، باگھ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2006ء، ص157

8۔ ایضاً ص145

9۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے بدلتے تناظر، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، 2007، ص206

10۔ عبداللہ حسین، باگھ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2006ء، ص160

11۔ ایضاً ص238

12۔ ایضاً ص239

13۔ ایضاً ص274

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

14۔ ایضاً ص280

15۔ ایضاً ص325

16۔ رضی عابدی، تین ناول نگار، سانجھ پبلی کیشنز، لاہور، 2010ء، ص131

17۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے بدلتے تناظر، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، 2007ء، ص209